مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

بشکریہ الفرقان

صحابۂ کرامؓ — اور — ارتداد

یہ عنوان الفرقان جیسے دینی رسالوں کے قارئین کے لیے چونکا دینے والا بلکہ بہت سے لوگوں کے جذبۂ دینی کو ٹھیس پہنچانے والا ہو سکتا ہے۔ راقم سطور بھی اپنا یہ احساس چھپانا مناسب نہیں سمجھتا کہ وہ بھی اسے زبان قلم پر لاتے ہوئے جھجکتا بلکہ ڈرتا رہا، لیکن، جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا ضرورۃً اسے گوارا کر لیا گیا ہے۔

مگر حیرت کا مقام ہے بلکہ افسوس کی جا ہے کہ ادھر عرصہ سے ایک خاص طرز فکر کو عام کرنے کی کوششوں نے امت کے ایک طبقہ کا ایسا ذہن بنا دیا ہے جو اس طرح کے عنوانات بلکہ اسی قسم کی بے باکانہ گفتگو کرنے میں نہ صرف کوئی حرج نہیں سمجھتا بلکہ ایسے سوالات اٹھا کر صحابہ کرام کی محبت و عظمت سے سرشار قلوب کو ارتیاب و شکوک میں دانستہ یا نادانستہ طور پر مبتلا کرنا دین کی خدمت خیال کرتا ہے، حالانکہ ان قدسی صفات نفوس کی عظمت و محبت ایمان باللہ و بالرسول کا لازمی تقاضہ ہے کیونکہ ان حضرات ہی کے توسط سے ہمیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات کا علم ہوا اور ان پر ایمان لانے کی ضرورت کا پتہ چلا۔ اسی بنیاد پر مشہور محدث ابوزرعہؒ رازی کسی صحابیؓ کی ادنیٰ سی تنقیص کرنے والے کو زندیق۔ بے دین۔ کہتے تھے[1]

---

[1] حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الاصابہ" ج ۱ ص ۱۲ میں بیان کیا ہے: "قال (ابوزرعہ الرازی) اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق و ذلک ان الرسول حق والقرآن حق وما جاء بہ حق وانما ادی الینا کلہ الصحابۃ وھؤلاء (ای المنتقصون) یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ"

اس وقت جس ذہن کے پیدا ہو جانے کی بات کی جا رہی ہے اس کا صحیح اندازہ، علما ہیں خاص طور پر ان لوگوں کو زیادہ ہے جو اپنی کسی خصوصیت، یا اتفاق، یا اور کسی وجہ سے اس حیثیت میں ہیں کہ لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے اور اپنی ذہنی الجھنیں پیش کر کے انھیں دور کرنے میں ان سے مدد لیتے ہیں۔

اسے خوش قسمتی کہیئے یا کوئی اور نام دیجیے کہ راقم سطور بھی ان لوگوں میں ہے جسے نوع بنوع سوالات کے ساتھ اس قسم کے مسائل سے بھی سابقہ پڑتا اور ان کے جوابات دینے ہوتے ہیں۔

چنانچہ پچھلے سال دینی مزاج اور سلیم ذہن رکھنے والے ایک صاحب کے کئی سوالنامے آئے جن میں بعض دوسرے سوالات کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا۔

"..... کی ایک کتاب ..... میری نظر سے گذری اور میں نے اپنے لیے اس کتاب کو غیر معمولی نافع پایا، اس میں ..... مقام صحابیت کے بارے میں لکھا ہے کہ —

"یہ وہبی ہے اور معجزات نبوت کا اعجاز ہے ..... ہمارے نزدیک ایک بھی صحابی کا مرتد ہونا ثابت نہیں اور اگر کوئی شخص اس طرح کہے یا سمجھے تو گویا نہ صرف مرتبۂ صحابیت کی ناقدری ہے بلکہ تنقیص رسالت بھی نکلتی ہے کہ جن کی قلب ماہیت اللہ کے رسول کی ایک نگاہ سے کامل ہو جائے، ان کو مرتد سمجھنا گویا اسی اعجاز نبوت کو در پردہ تسلیم نہ کرنے کے مرادف ہے"

یہ نقل کرنے کے بعد یہی صاحب آگے لکھتے ہیں:-

"مگر بعض ایسے معترضین ..... جو بہر حال تنقیدی مزاج رکھتے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ جب یہ تاثیر نگاہ نبوت کے معجزات میں سے ہے ..... تو ..... اس کا پھر جانا (یعنی ایسے شخص کا مرتد ہو جانا۔ برہان) تنقیص کا سبب ہے"

مکتوب نگار نے اس کے علاوہ صحابہ کی اتباع کی بابت بھی اسی نہج کے سوالات اٹھائے تھے جن کے تفصیلی جوابات (حسب توفیق خداوندی) دیدیے گئے۔ خیال ہوا کہ ان صاحب کو جواباً جو کچھ لکھا گیا، اس کا ضروری حصہ مناسب تغیر و تبدیلی کے بعد دوسرے مخلصین اور صحیح الفکر افراد کے سامنے پیش کر دیا جائے، ہو سکتا ہے ان کے واسطے بھی کسی درجہ میں مفید اور کارآمد

ثابت ہو۔ اسی خیال کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے قارئین "الفرقان" کے سامنے یہ سطریں پیش کی جا رہی ہیں۔ برہان)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہونے والے افراد کے طرز عمل کو بنیاد بنا کر یہ سمجھنا کہ ایسے لوگوں کا دین حق سے پھر جانا بھی "تنقیص رسالت کا سبب ہے یا جو علما کسی صحابی کے بھی مرتد ہونے کی نفی کرتے اور صحابی کے ارتداد کو تنقیص رسالت کا سبب قرار دیتے ہیں ان پر فتنۂ ارتداد کی بنا پر تعریض کرنا، یہ پتہ دیتا ہے کہ ایسے لوگوں نے ان "علماء" کی بات کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ ایسے تمام لوگ کہ جن پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نظر پڑ گئی وہ سب کے سب بلا استثناء "کامل" بن گئے، اور ان کے دل کی کایا پلٹ ہو گئی۔ حالانکہ ان حضرات علماء کا یہ مطلب ہرگز نہیں کیونکہ ایسا کہنا یا سمجھنا واقعات کو جھٹلانے بلکہ قرآن و حدیث کی تکذیب کرنے کے مترادف ہوگا۔ بھلا اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ابوجہل، ابولہب اور اسی قماش کے دوسرے معاندین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف یہ کہ بارہا نظریں پڑیں بلکہ ان سے بار بار گفتگو ہوئی اس کے باوجود وہ کفر پر جمے رہے اور اسی حالت میں دنیا سے چلے گئے۔ اس لیے بلاشبہ ان حضرات علماء کے کلام کا مطلب یہ ہے (جس کی صراحت بھی ان کے یہاں موجود ہے۔ تفصیل آگے آ رہی ہے) کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حقیقی ایمان کی دولت نصیب ہو گئی انہی پر آپ کی نظر کیمیا اثر نے یہ کام کیا کہ انھیں کامل بنا دیا اور ان کا رتبہ اتنا بلند کر دیا کہ ان کا مقابلہ بڑے سے بڑا ولی (غیر صحابی) بھی نہیں کر سکتا۔ اور وہ لوگ جو بظاہر ایمان لے آئے تھے پھر اس کے بعد مرتد ہو گئے۔ دراصل ان کے دل میں حقیقی ایمان داخل ہی نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ حقیقی ایمان جس کے دل میں گھر کر لے اور پھر جو اس کا لذت شناس ہو کر اس کی حلاوت محسوس کرنے لگے وہ کبھی مرتد نہیں ہو سکتا اس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینا اور سخت سے سخت تکلیف برداشت کرنا آسان ہو سکتا ہے مگر اس دولت سے دست بردار ہونا گوارا نہیں کر سکتا۔

اس پر صحابہ کرامؓ کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ اسی بات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ..... أن یکرہ أن یعود فی الکفر

کما یکرہ أن یقذف فی النار[1]

کہ تین باتیں جس شخص میں ہوں گی وہی ایمان کی حلاوت پائے گا..... (تین میں سے ایک یہ ہے کہ) کفر کی طرف واپس جانا اتنا ہی ناگوار (اور دشوار) ہو جتنا کہ آگ میں ڈالا جانا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی حقیقی مومن مرتد اور کافر نہیں ہو سکتا، لہذا جو بھی مرتد ہوتا ہے وہ دراصل حقیقی مومن نہیں تھا۔

جہاں تک عہد نبوی کے ان مسلمانوں کا تعلق ہے جو (بظاہر) ایمان لے آئے تھے لیکن پھر مرتد ہو گئے ان کا معاملہ بھی یہی ہے ان کے قلوب میں حقیقت ایمان رچی بسی نہیں تھی اور نہ ہی اس کی حلاوت سے آشنا ہوئے تھے۔ ایسے لوگوں کی ایک تعداد عہد نبوی میں موجود تھی۔ ان کے بارے میں قرآن مجید کی متعدد آیات اور مستقل ایک سورۃ نازل ہوئی جو ایسے لوگوں کے موجود ہونے کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ سورۂ حجرات کی ایک آیت میں کچھ لوگوں کے متعلق یوں فرمایا گیا

قالت الأعراب امنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا أسلمنا ولما يدخل الايمان في قلوبكم

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان والے ہو گئے، اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تمھیں حقیقی ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی ہے (اس لیے تم اپنے آپ کو ایمان والے نہ کہو) ہاں تم خود کو (ظاہری) مسلمان کہہ سکتے ہو، کیونکہ تمھارے دلوں میں ابھی تک ایمان داخل نہیں ہوا ہے۔

اس سے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کا مرتد ہو جانا نبوت و رسالت کی تنقیص کا سبب نہیں کیونکہ یہ لوگ ایمان والے بنے ہی نہیں تھے تو جس طرح ابوجہل و ابولہب جیسے دشمنان اسلام کا وجود اور ان کا ایمان نہ لانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تنقیص اور آپ کی شان میں کوتاہی کا موجب نہیں اور ابوطالب کا ایمان قبول نہ کرنا دعوت کی کمزوری کا سبب نہیں ہے۔ اسی طرح ایسے ہی مسلمان نما کافروں کا۔ بناوٹی روپ چھوڑ کر اپنی سابقہ اصلی حالت پر لوٹ جانا۔ یا یہ کہیے کہ اصلی حالت ظاہر کر دینا تنقیص کا سبب نہیں بن سکتا تو پھر اس سے آپ کی نگاہ کی کیمیا اثری پر کیونکر کوئی حرف آ سکتا ہے۔ ابوجہل و ابولہب اور دوسرے دشمنان اسلام پر نہ صرف یہ کہ آپ کی نظر پڑی بلکہ بارہا ان سے گفتگو بھی ہوئی لیکن کچھ ان پر اثر نہ ہوا اس لیے کہ ان کے دل قبول حق کی

[1] بخاری ج ۱ ص، مسلم ج ۱ ص ۴۹

استعداد سے عاری ہو کر اپنی تمام صلاحیتیں کھو چکے تھے، اس حقیقت کو قرآن حکیم نے متعدد آیتوں میں بیان کر دیا ہے مثلاً فرمایا "ختم اللہ علی قلوبھم"

اس قسم کے شبہات کچھ لوگوں نے عہد نبوی میں بھی پیدا کیے تھے جن سے بعض مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بھی اثر پڑتا تھا۔ اس اثر کو زائل کرنے اور آپ کی تسکین کے لیے متعدد آیات نازل ہوئیں، مثلاً انک لا تھدی من أحببت ولکن اللہ یھدی من یشاء، لست علیھم بمصیطر، ان علیک الا البلاغ ایمان حقیقی کی دولت مل جانے کے بعد اس سے دست بردار ہونا ممکن نہ ہونے پر شہادت کی حیثیت رکھنے والا ہرقل کا یہ واقعہ بھی ہے کہ جس کا ذکر حدیث کی تمام کتابوں میں ملتا ہے کہ اس نے حضرت ابوسفیانؓ (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چند سوالات کیے (جن کے بعد اس رومی شہنشاہ نے آنحضرت کے رسول ہونے کا اعتراف بھی کیا)۔ ان سوالات میں ایک یہ بھی تھا ھل یرتد احد منھم سخطۃ لدینہ بعد أن یدخل فیہ قلت لا۔ آخر میں ہرقل نے اس سوال کی مصلحت بتاتے ہوئے کہا: وکذلک الإیمان حین تخالط بشاشتہ (مطلب یہ ہے کہ) ہرقل نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ نبی پر ایمان لانے والوں میں سے کوئی ایک شخص بھی اس دین سے بیزار ہو کر اپنے سابق دین کی طرف لوٹتا ؟ (مرتد ہوا) جس کا جواب ابوسفیان کی طرف سے قطعاً نفی میں ملا، تو اس نے کہا! جب ایمان قلب کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے (کہ پھر کوئی اس سے پھرتا نہیں) یہ واقعہ بخاریؒ میں بھی موجود ہے۔

جب ایمان کی حلاوت و لذت کا یہ کرشمہ ہے اور ایمان حقیقی کی یہ تاثیر ہے تو اس معیار پر اعلیٰ درجہ میں وہی لوگ پورے اتر سکتے ہیں جنھوں نے براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمۂ صافی سے فیض اٹھایا یعنی صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) اس حقیقت پر اتنے دلائل ہیں کہ ان کو شمار کرنا مشکل ہے اور جن کا انکار نصف النہار میں سورج سے انکار کے مرادف ہوگا۔

انہی دلائل کی بنیاد پر امت کے تمام قابل ذکر علماء نے صحابہ کی فضیلت و عدالت پر سب اہل حق کا اتفاق نقل کیا ہے۔ پانچویں صدی کے مشہور محدث و محقق عالم خطیب بغدادی نے

لہ بخاری ج ۱ ص ۴

اپنی معروف کتاب الکفایہ[1] میں صحابہؓ کی فضیلت اور ان کے عادل و متدین ہونے کا مستقل ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہی ہے "باب ماجاء فی تعدیل اللہ ورسولہ للصحابۃ (یعنی صحابہؓ کی اللہ اور رسول کی طرف سے تعدیل و توثیق کیے جانے کا باب)" اور اس باب کے تحت لکھا ہے کہ "صحابہ کے بارے میں اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ وہ "عادل" تھے یا نہیں کیونکہ ان کی "عدالت" تو ثابت و معلوم ہے اس لیے کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے پاکباز اور برگزیدہ ہونے کی خبر دی ہے۔ (لأن عدالۃ الصحابۃ ثابتۃ معلومۃ بتعدیل اللہ لہم وإخبارہ عن طہارتہم واختیارہ لہم) اس کے بعد وہ آیتیں ذکر کیں جن سے صحابہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، اور پھر ان کی شان میں وارد متعدد احادیث نقل کیں[2]۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابۃ" میں لکھا ہے، "اتفق اہل السنۃ علی ان الجمیع عدول ولم یخالف فی ذلک إلا شذوذ من المبتدعۃ"[3] کچھ اہل بدعت کو چھوڑ کر تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں، اسی کتاب میں یہ بھی ہے انہم افضل من جمیع الخالفین بعدہم والمعدلین الذین یجیئون من بعدہم، ہذا مذہب کافۃ العلماء ومن یعتمد قولہ یعنی صحابہ کرام اپنے بعد کے تمام لوگوں میں سے افضل ہیں جن میں وہ لوگ بھی ہیں جو تعدیل کرتے ہیں، یہی تمام قابل اعتماد علماء کا مذہب ہے"۔

اس مقام پر یہ جان لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ "صحابی کسے کہتے ہیں اور علماء نے "صحابی" کی کیا تعریف بیان فرمائی ہے؟" یہاں سب سے زیادہ وسیع النظر عالم (کہ جن کی عظمت پر علماء اہل حق کا اتفاق ہے) کی احوال صحابہ پر مستند ترین کتاب سے "صحابی" کی تعریف نقل کی جاتی ہے۔ اصح ما وقفت علیہ من ذلک أن الصحابی من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنا بہ ومات علی الاسلام فیدخل فیمن لقیہ من طالت مجالستہ لہ أو قصرت، ومن روی عنہ

---

[1] الکفایہ ص۴۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد [2] مشہور محدث ابن عبدالبر نے بھی "الاستیعاب ص ۱۲/۱" میں ایسی بہت سی حدیثیں ذکر کیں ہیں، ان میں ایک یہ ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اختار اصحابی علی الثقلین سوی النبیین والمرسلین اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سفیان ثوری "وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ" کا مصداق صحابہ کرامؓ کو بتاتے تھے۔ [3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ للحافظ ابن حجر العسقلانی ص ۱۷/۱

اولم یرہ، من غزا معہ اولم یغز، ومن رای رؤیۃ ولم یجالسہ ومن لم یرہ لعارض کالاعمی" ترجمہ:- میری معلومات کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ صحابی وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت ایمان ملا ہو، اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو، وہ شخص بھی اس شرف میں شریک ہے جو طویل مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نشین رہا اور وہ بھی جو بہت تھوڑی مدت رہا ہو وہ بھی جس نے آپ سے سنکر کچھ روایت کیا اور وہ بھی جس نے کچھ نقل نہیں کیا، وہ بھی جس نے آپ کے ساتھ جہاد کیا اور وہ بھی جس نے نہیں کیا وہ بھی جس نے صرف آپ کی جھلک تو دیکھی لیکن ہم نشینی کی نوبت نہیں آئی اور وہ بھی جس نے ملاقات تو کی مگر کسی مجبوری کی وجہ سے آپ کو دیکھ نہیں سکا جیسے نابینا" مات علی الاسلام کی شرط کا فائدہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں وخرج بقولنا "مات علی الاسلام" من لقیہ مومنًا بہ ثم ارتد ومات علی ردتہ والعیاذ باللہ یعنی اس شرط (اسلام ہی پر وفات ہونے کی شرط) کی وجہ سے وہ شخص صحابی کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بظاہر اسلام کی حالت میں ملا تھا مگر بعد میں وہ مرتد ہوگیا، اور اسی حال میں مرا بھی (العیاذ باللہ) حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ:- ھذا التعریف مبنی علی الاصح المختار عند المحققین کالبخاری وشیخہ احمد ومن تبعہما یعنی یہ تعریف تمام محققین کی اختیار کردہ ہے جن میں امام بخاری، امام احمد جیسے جلیل القدر محدثین کے علاوہ ان کے متبعین بھی شامل ہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کا مرتد ہونا ناممکن اور محال ہے اور غلط فہمی کے تمام پردے چاک ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو لوگ ارتداد کا شکار ہوئے وہ حقیقتًا صاحب ایمان نہیں ہوئے تھے اور جو بھی قبائل وفات نبوی فداہ روحی کے بعد مرتد ہو گئے تھے ان کا ایک فرد بھی صحابی نہ تھا۔

صحابہ کا قابل اتباع ہونا

جس گروہ انسانیت کو یہ مرتبہ و مقام حاصل ہو کہ وہ منبع اصلی و سرچشمہ حقیقی سے فیضیاب

لہ الاصابہ ص۱۲ ج۱ حافظ نے یہاں چند ایسے لوگوں کے نام بھی گنا دیے ہیں جو اس بدبختی کا شکار ہوئے مثلاً عبید اللہ بن جحش، عبد اللہ بن اخطل

دستیاب ہو چکا ہے وہ بیشک قابل اتباع وتقلید ہے، اور اس کا ہر ہر فرد "پچھلوں کے لیے نمونہ (IDEAL) کی حیثیت رکھتا ہے اور چراغ راہ کا کام کرسکتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔ اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم[1] لیکن بعض حضرات اس پر یہ کہتے ہیں کہ "اصحابی کالنجوم" سے تمام کے تمام مراد ہیں تو پھر ایک صاحب وہ بھی تو ہیں جو صحابہ کے ساتھ اللہ کے رسول کے ہمراہ کسی غزوہ میں شریک رہے اور جوانمردی سے لڑتے بھی رہے..... مگر..... اللہ کے رسول نے فرمایا..... وہ جہنمی ہے..... بعد میں خودکشی کے مرتکب ہوئے۔ تو کیا اس ارتکاب جرم اور خودکشی کی بھی اقتدا کرنی چاہیے"[2]

جواب سننے سے قبل ایک اصولی بات ذکر کردینا ضروری و برمحل معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ اس قسم کے موقعوں پر بولے جانے والے عام الفاظ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی استثناء ہی نہیں ہے بلکہ لفظ "کل" سے ایسے مقامات پر وہ مفہوم مراد ہوتا ہے جو روزمرہ کی گفتگو میں عموماً لیا جاتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ملکہ سبا (بلقیس) کے بارے میں کہا گیا ہے "واوتیت من کل شیٔ" اس آیت کا یہ مطلب سمجھنا کہ بلقیس کو ہوائی جہاز ٹینک اور ایٹم بم وغیرہ (یا اس زمانہ کی ہر ہر چیز) دیے گئے تھے۔ بہت کم فہمی وکم علمی کی بات ہوگی، حالانکہ "کل شیٔ" کا منطقی مفہوم یہی ہے کہ ہر ہر چیز دی گئی ظاہر ہے کہ "کل شیٔ" کے مفہوم میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں

[1] یہ حدیث مشکوٰۃ ص۵۵۴ ج۲ میں "رزین" کے حوالے سے مذکور ہے مگر ائمہ حدیث فنی طور پر اسے بہت کمزور کہتے ہیں بلکہ موجودہ زمانہ کے ایک مشہور عرب عالم ناصر الدین البانی نے مشکوٰۃ کے حاشیہ پر اس حدیث کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا ہے: حدیث باطل واسناده واهٍ جداً کما بینته فی الاحادیث الضعیفة اور اپنی اسی کتاب میں ص۷۸ سے ص۸۵ تک بڑا تفصیلی کلام کیا ہے۔

اس حدیث کی سند چاہے جیسی ہو لیکن علمائے اصولیین کی ایک تعداد کے یہاں یہ بات تقریباً تسلیم شدہ ہے کہ صحابہ کے اقوال وافعال فی الجملہ حجت ہیں، اگرچہ تفصیلات میں خاصا اختلاف ہے، اصول فقہ کی مشہور کتاب "حسامی" میں ابوسعید بردعی کا یہ قول نقل کیا ہے: تقلید الصحابی واجب یترک به القیاس لاحتمال السماع والتوقیف ولفضل اصابتهم فی نفس الرأی بمشاهدة احوال التنزیل، اس کی شرح "امی" ص۱۰۵ ج۲ میں امام رازی وغیرہ کا بھی یہی قول بتایا گیا ہے۔ [2] سوالنامہ میں یہ بھی چند افراد کا اعتراض ذکر کیا گیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ "کل شئ" کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہے جتنا کہ ظاہری طور پر نظر آرہا ہے۔

ایک اور مثال سے یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوۃ حسنۃ" سب جانتے ہیں اور اسی کے مطابق پوری امت کا متفقہ عقیدہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل ہمارے لیے نمونہ اور قابل تقلید ہے مگر ذرا غور کیجیے کہ کیا نابینا کو آتا دیکھ کر چہیں بہ جبیں ہو جانا اور منہ پھیر لینا بھی ہم سے مطلوب ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں (حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا جس پر قرآن مجید کی آیت "عبس وتولی أن جاءہ الأعمی" بلکہ پوری سورۃ دلالت کرتی ہے)

اس کا جواب صاف واضح ہے، کہ جب کسی عمل کے بارے میں یقینی دلیل سے معلوم ہو جائے کہ یہ عمل "عام قاعدہ" میں داخل نہیں ہے، تو ہم اس عمل کی حد تک اتباع کے مکلف نہ ہوں گے، یا یوں کہہ لیجیے کہ صرف یہ عمل "اسوہ" میں داخل نہ سمجھا جائے گا اور اس استثناء کے باوجود عام قاعدہ اپنی جگہ درست رہے گا کہ آپ کا ہر عمل قابل اتباع ہے۔ محض استثنائی مثالوں کو بنیاد بنا کر کوئی بھی شخص کسی عمل سے سرتابی کی جرأت کرنے کا مجاز نہ ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید کی ایک آیت یا چند آیتوں کے حکم کا منسوخ ہو جانا اس کی دلیل نہیں بن سکتا کہ اب قرآن مجید حجت نہیں رہا اور اس کی اتباع ضروری نہیں رہی۔ بلکہ نسخ کے باوجود اس کا اصل مقام یہی ہے کہ وہ "ہادی" اور زندگی کا "دستور العمل" ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ کسی صحابی کا کوئی ایسا عمل جس کا مطلوب نہ ہونا کسی قوی دلیل سے ثابت ہو جائے تو یہ کہا جائے گا کہ بس اس عمل کی حد تک وہ ناقابل اقتدا ہیں مگر اصول یہی رہے گا کہ "صحابی قابل اقتدا ہیں" یہ اصولی بات ذکر کر دینے کے بعد وہ قصہ بیان کیا جاتا ہے جس کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے صحابہ کے مقتدا ہونے کی حیثیت کو مجروح کیا ہے۔ اوپر کی سطروں میں بیان کردہ سوال سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ واقعہ صحیح مسلم کتاب الایمان میں باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے اس میں بعض ایسے صاف اور صریح اشارے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص مومن ہی نہیں تھا بلکہ کافر تھا۔[1]

---

[1] مسلم شریف ص ۷۶ ج ۱ مطبوعہ رشیدیہ دہلی

شهدنا مع رسول الله صلى الله عليه
وسلم حنينا فقال لرجل ممن يدعي
بالاسلام هذا من اهل النار فلما
حضرنا القتال قاتل الرجل قتالاً شديدًا
فأصابته جراحة فقيل يا رسول الله
الرجل الذي قلت له انفا إنه من
اهل النار فانه قاتل اليوم قتالاً شديدًا
وقد مات فقال النبي صلى الله عليه وسلم
الى النار فكاد بعض المسلمين أن يرتاب
فبينما هم على ذلك إذ قيل فإنه
لم يمت ولكن به جراحًا شديدًا
فلما كان من الليل لم يصبر على الجراح
فقتل نفسه فاخبر النبي صلى الله عليه
وسلم بذلك فقال الله اكبر اشهد أني
عبد الله ورسوله ثم امر بلالا
فنادى في الناس أنه لا يدخل الجنة
إلا نفس مسلمة وإن الله يؤيد
هذا الدين بالرجل الفاجر

خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص جو مسلمان کہا جا رہا تھا اور بہت دلیری سے جنگ لڑ رہا تھا اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جہنمی ہے۔ اس پر لوگوں کو اس کے عمل جہاد کے پیش نظر تعجب ہوا۔ اور قریب تھا کہ کچھ مسلمان شبہ میں پڑ جائیں کہ اچانک سننے میں آیا کہ وہ شدید زخمی ہو گیا تھا اور زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کر بیٹھا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الله اکبر اشهد انی عبد الله ورسوله اور پھر حضرت بلالؓ سے اعلان کروایا کوئی بھی بغیر سچے اسلام کے جنت میں داخل نہ ہو سکے گا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کسی کافر سے بھی اپنے دین کو تقویت پہنچوا دیتا ہے۔

حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں تھا، یہ حقیقت "ممن یدعی بالاسلام" اور "انہ من اهل النار" جیسے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہی ہے، اور جب اس شخص کی خودکشی کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپ نے اللہ اکبر اشهد انی عبد اللہ ورسولہ، فرمایا، ظاہر ہے کہ یہ انداز صاف بتا رہا ہے کہ آپ نے جس مخفی حقیقت کی اطلاع دی تھی جس پر لوگوں کو تعجب بھی ہوا تھا اس پر ایک کھلی دلیل مل گئی جس سے لوگوں کا استعجاب

واستبعاد جاتا رہا، اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں "جنت میں صرف سچا و پکا مسلمان ہی داخل ہو سکتا ہے۔" یہ جملہ بھی صاف بتا رہا ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی بڑے سے بڑا نیک کام بھی جنت میں داخلہ کا سبب نہیں بن سکتا لہذا اس شخص کا جی جان سے لڑنا اور کشتوں کے پشتے لگانا بھی اس کو جنت میں لے جانے کا سبب نہ بنے گا کیونکہ وہ صاحب ایمان نہ تھا اس کے جذبۂ جاں سپاری سے جو غلط فہمی لوگوں کو (اس کے ایماندار اور جنتی ہونے کے بارے میں) ہو گئی تھی اس کو یہ فرما کر دور کر دیا "ان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر" یہ قرائن نہیں بلکہ صراحتیں ہیں جو اس کے کفر کو ظاہر کر رہی ہیں، چنانچہ شراح نے بھی یہی سمجھا ہے، (اس کے علاوہ کسی اور پہلو کی گنجائش ہی کہاں ہے) مثلاً مشہور شارح حدیث علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:- فیہ تنبیہ علی أن ذلک الرجل ما کان من المسلمین عن أصلہ، اس کے بعد ایک امکانی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں لا أنہ بسبب فعلہ خرج منہم یعنی یہ شخص شروع ہی سے مسلمان نہ تھا یہ مطلب نہیں ہے کہ خودکشی کی وجہ سے خارج از اسلام ہو گیا (کیونکہ خودکشی گناہ کبیرہ تو ضرور ہے لیکن اس کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا) اور لفظ "فاجر" سے بھی دھوکہ کا امکان باقی تھا کیونکہ فاجر عام طور پر "گناہگار" کے معنی میں آتا ہے (اسے یہ کہہ کر دور کر دیا "الفاجر اعم من ان یکون کافراً او فاسقاً" (یعنی یہاں "فاجر" سے مراد کافر ہے صرف گناہگار نہیں ہے)

اس تفصیل کے سامنے آ جانے کے بعد اس بارے میں شبہ نہیں رہ جاتا کہ وہ شخص کافر تھا، اور جب کافر تھا تو صحابی ہو ہی نہیں سکتا اس لیے اس احتمال آفرینی اور مطلب برآری کی جو کوشش ہو سکتی تھی، اس کی مطلق گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔

پھر بھی اگر کچھ لوگ اس سے مطمئن نہ ہوں اور اس کے لیے اس قبیل کی دوسری مثالیں پیش کریں مثلاً کہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص ثعلبہؓ تھا اس کا یہ واقعہ ملتا ہے کہ آپ کی دعا سے اس کی معاشی تنگی، وسعت میں تبدیل ہو گئی تھی اور پھر اللہ کے رسول نے

---

[1] فتح الملہم ص ۲۶۶ ج ۱ للعلامۃ شبیر احمد عثمانی

[2] سوالنامہ میں "ثعلبہ" کا حوالہ دے کر بھی کچھ لوگوں کا اعتراض نقل کیا گیا ہے۔

اس کی زکوٰۃ تک قبول نہ فرمائی ۔ تو کیا ان کی بھی اقتدا کی جائے؟

اس واقعہ کا اصولی جواب تو وہی ہے جو شروع میں بیان ہوا، لیکن اس کے ساتھ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ واقعہ حدیث کی کسی صحیح اور معتبر کتاب میں نہیں آتا، قدرتی بات ہے کہ اس بنا پر واقعہ کی صحت بہت مشتبہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی (مشہور ترین محدث اور دریائے علم کے غوطہ خور رہے) تو اس کی عدم صحت کا ہی رجحان ظاہر کیا ہے وہ فرماتے ہیں ولا اظنه يصح[1] اور بالفرض یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو جس موقع پر عام طور پر اسے نقل کیا جاتا ہے (یعنی قرآن مجید کی آیت[2] ومنهم من عاهد الله لئن اتانا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين فلما اتاهم من فضله بخلوا به وتولوا وهم معرضون کا شان نزول قرار دیتے ہوئے[3]) اس سے خود یہ چل رہا ہے کہ یہ شخص منافق تھا، مومن نہ تھا۔ چنانچہ مفسرین نے نقل کیا ہے اسی آیت کے شان نزول کے طور پر ذکر کیا ہے، اور یہ آیت اور اس کے آگے پیچھے کی متعدد آیات منافقین ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اس کے بعد والی آیت فاعقبهم نفاقا في قلوبهم تو کھلے طور پر ایسے لوگوں کا منافق ہونا بتا رہی ہے۔ اسی بنیاد پر حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میرا غالب گمان ہے کہ یہ واقعہ صحیح نہیں ہے اور صحیح ماننے کی صورت میں یہ وہ ثعلبہ نہیں ہو سکتے جو مشہور صحابی ہیں اور بدر کی جنگ میں شریک تھے، کیونکہ ان شرکاء بدر کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا ہے لا يدخل النار أحد شهد بدرا والحديبية "جو شخص بھی جنگ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا وہ ہرگز جہنم میں داخل نہ ہوگا۔" صحابی رسول کے بجائے وہ ثعلبہ نامی کوئی دوسرا شخص ہوگا اور اس کے بعد اس کے قرائن لکھے ہیں (پوری تفصیل کے لیے الاصابہ ص۲۰۰ ج۱ دیکھیے) اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ واقعہ ہی صحیح نہیں اور اگر صحیح ہے تو یہ شخص سچا مومن نہیں بلکہ منافق تھا اور اس صورت میں وہ صحابی نہیں ہو سکتا، اس لیے کسی صحابی کا زکوٰۃ سے انکار ثابت نہیں۔

ان دونوں پہلوؤں سے قطع نظر ایک احتمال یہ بھی ہے (جس کی گنجائش واقعہ کے بعض اجزاء سے نکلتی ہے) کہ یہ شخص مسلمان ہی ہو لیکن کسی عناد و سرکشی کے طور پر نہیں، بلکہ تساہل اور زکوٰۃ کی

---

[1] الاصابہ ص۲۰۰ ج۱ [2] سورہ توبہ [3] تفسیر ابن کثیر ص۳۷۴ ج۲، در منثور ص۲۶۰ ج۳

فرضیت (بالخصوص اموال باطنہ کی زکاۃ) سے لاعلم ہونے کی بنا پر اس ابتلا کا شکار ہوگیا، چنانچہ جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا یا احساس کرایا گیا، تو زکوٰۃ لیکر حاضر خدمت ہوا، اور جب قبول نہ کی گئی تو سخت نادم و متاسف ہوا، فرط ندامت اور اظہار حسرت کے طور پر روتا اور سر پر خاک ڈالتا تھا، جیسا کہ اکثر واقعہ نگار لکھتے ہیں، مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور تفسیر "در منثور" میں جن الفاظ میں اسے ذکر کیا ہے ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت یا کم از کم حیوانات کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم، اس شخص کے مدینہ سے چلے جانے کے بعد نازل ہوا (وفقده رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأل عنه فاخبروه أنه اشترى غنماً وأن المدينة ضاقت به ..... ثم إن الله تعالى أمر رسوله صلى الله عليه وسلم أن يأخذ الصدقات وأنزل خذ من اموالهم صدقة" الخ) اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور ان کی زکوٰۃ نہ قبول کرنے کی وجہ سے ان کی جو حالت ہوئی اس کے بارے میں لکھتے ہیں (فجعل يبكي ويحثي التراب على رأسه) ان کے اس رویہ کی وجہ سے حسن ظن کی گنجائش نکلتی ہے اور کہا جاسکتا ہے ان کی زکوٰۃ کا قبول نہ کیا جانا تنبیہ کے لیے تھا، عام طور پر ہوتا ہے کہ اپنے لوگوں کو تنبیہ زیادہ کی جاتی ہے اور ان کی فروگذاشتیں بھی نظر انداز نہیں کی جاتیں جس طرح غزوہ تبوک سے تخلف کرنے والے منافقین کو تو کوئی خاص سرزنش نہیں کی گئی، بلکہ جانتے ہوئے بھی ان کے بے وقعت حیلے بہانوں ہی کو قبول کرلیا گیا، مگر تین مخلصین کی سخت آزمائش ہوئی اور پچاس روز تک مسلسل ان کا بائیکاٹ رہا (حدیث کی تقریباً تمام معتبر کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے) اس طرح یہاں بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ سبق بھی لیا جاسکتا ہے کہ ان کو کس قدر ندامت ہوئی اور کس درجہ افسوس ہوا اور اس میں ان صاحب کی اقتدا کی جاسکتی ہے، اور یہ بھی سیکھا جاسکتا ہے کہ قریبی تعلق والوں کی معمولی کوتاہیاں نظر انداز نہ کی جائیں بلکہ ان پر انھیں تنبیہ کی جائے اور سزا دی جائے۔ ——— اگرچہ موخر الذکر احتمال کو علماء نے عام طور پر ذکر نہیں کیا ہے بلکہ عام شراح نے یہی کہا ہے کہ یہ وہ ثعلبہ نہیں ہیں جو بدر وغیرہ میں شریک ہوئے اور مخلص مومن تھے، سر پر خاک ڈالنے کی بھی علامہ آلوسی نے یہ توجیہ کی ہے: وحثوة للتراب ليس للتوبة من نفاقه بل للمعارض عدم قبول زكوته مع المسلمين یعنی اس کا سر پر خاک ڈالنا نفاق سے توبہ کرنے اور حقیقی ندامت کے اظہار کے لیے نہیں تھا بلکہ چونکہ مسلمانوں کے ساتھ اس کی زکوٰۃ نہیں قبول کی گئی تھی اس لیے اسے عار محسوس ہوئی اور اسی وجہ سے اس نے اپنے سر پر خاک ڈالی۔ والغيب عند الله وبيده ازمة التوفيق فنسأل الله تعالى التثبيت